حافظ احمد دین رحمانی

فصاحت و بلاغت کا بحرِ ناپیدا کنار، قرآنِ مجید!

فصاحت پر مشتمل وہ کلام کہلاتا ہے۔ جس کے الفاظ و معانی تعقیدِ لفظی یا معنوی سے خالی ہوں۔ ثقیل اور نامانوس الفاظ اور تنافر کلمات سے پاک، کراہتِ صوت، مغلق (غیر واضح) اور خلافِ قیاس الفاظ سے یکسر صاف ہو، صراحت و وضاحت کے ساتھ مفہوم ادا کر رہا ہو۔ لفظی اور معنوی اعتبار سے ماسبق سے مربوط اور اس کے معیار پر ہو۔ جس میں متوازن، معتدل اور موزوں ترین الفاظ ادائے مفہوم کے لئے لائے گئے ہوں۔ فصاحت کے سلسلے میں جہاں تک نامانوس، مغلق، خلافِ قیاس الفاظ اور تنافرِ کلمات کی بھرمار کا تعلق ہے، عربی کے ایک ماہر و قادر الکلام ادیب کے غیر فصیح اور سمع خراش الفاظ و کلمات بھی سن لیجئے (اس میں تعقیدِ لفظی کی مثال بھی ہے) جو ان کے منہ سے اس وقت نکلے جب وہ سرِ بازار سواری سے نیچے گر پڑے اور وہاں کے باشندے جوق در جوق ان کو سنبھالا دینے کے لئے لپکے۔ لیکن آپ نے ان کا خیر مقدم جھڑکیاں دیتے ہوئے ان الفاظ میں کیا:

"ما لکم تکأکأتم علی کتکأکئکم علی ذی جِنّۃ افرنقعوا عنی!"

جس کی سیدھی سادھی عربی یوں ہے:

"مالکم اجتمعتم علیّ کاجتماعکم علی ذی جنۃ فابعدوا عنی !"

"یعنی تم مجھ پر اس طرح ہجوم کرکے کیوں آئے ہو، جس طرح تم کسی پاگل پر چڑھ دوڑتے ہو، مجھ سے دور ہو جاؤ"

اور مجمع یہ کہتے ہوئے چھٹ گیا:

"دعوہ فان شیطانہ یتکلم بالھندیۃ"

کہ "اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اس کا ہمزاد تو ہندی بول رہا ہے"!

بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ خواہ مخواہ دھاک بٹھانے کے لئے مغلق ترین الفاظ ادا کرتے ہیں۔ اب ذرا التعقید معنوی کی مثال اردو میں سنئے۔ ایک شعر ہے ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا ،
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا

اس کا مقصد یوں واضح ہو گا کہ شہد کی مکھی باغ میں جائے گی، وہاں سے پھولوں کا رس چوسے گی۔ پھر اس سے شہد بنے گا۔ شہد کے چھتے سے موم نکلے گا۔ جس سے موم بتی بنے گی، موم بتی جلائی جائے گی۔ اس پر پروانے آئیں گے اور جل کر ان کا خون ہو جائے گا۔

اندازہ فرمائیے، کیا یہ کلام فصیح ہے؟ ہرگز نہیں!

اب آئیے، فصاحت کے ضمن میں ماسبق و ما لحق کے ربط و توازن اور معتدل اور موزوں الفاظ کے استعمال پر غور کریں۔

اس سلسلہ میں ہمارے پاس دو معیار ہیں، شعرائے عرب کی شاعری اور قرآن مجید، لیکن مؤخر الذکر کی فصاحت و بلاغت اور معجز نمائیاں نقل اور عقل کی رو سے مسلم ہیں کہ جس کے سامنے عرب کے اہل زبان بھی عاجز و درماندہ ہو کر گھٹنے ٹیک گئے اور انہوں نے کھلے لفظوں اس امر کا اعتراف کر لیا کہ:

"ما ھذا قول البشر"

کہ "یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا"

بلاشبہ اہل عرب کی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت شہرۂ آفاق بن چکی تھی کہ جس کی وسعت اور ہمہ گیری میں بادیہ نشین اور ان کے بچے بچیاں تک اپنا جواب نہ

رکھتے تھے اور سارا ملکِ عرب فصاحت و بلاغت کے زمزموں سے گونج رہا تھا۔

اس ضمن میں عرب کے ایک مشہور و معروف شاعر امراء القیس کی لڑکیوں کا دلچسپ واقعہ روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہوگا۔ چند وجوہات کی بنا پر کچھ لوگ امراء القیس کے دشمن اور اس کے قتل کے درپے ہوگئے اور موقع کی تاک میں لگے رہے۔ بد قسمتی سے ایک صحرا میں دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ دو مسلح آدمی تھے اور یہ اکیلا بے سروسامان، موت کو سر پر دیکھ کر امراء القیس نے التجا کی کہ قتل کے بعد میری دو بچیوں تک میرا ایک پیغام پہنچا دیں۔ پیام صرف ایک مصرعہ تھا ؎

یا ابنتا امرا لقیس ان ابا کما . . .

(کہ اے امراء القیس کی دونوں بیٹیو تمہارا باپ)

ظاہر ہے کہ کلام (مصرعہ) ناتمام اور ناقص تھا اور کسی خاص مفہوم کو ادا نہیں کر رہا تھا۔ چنانچہ قتل کے بعد دونوں قاتل اس کے قبیلے میں پہنچ کر لڑکیوں سے ملے اور کہا، صحرا نوردی کے دوران تمہارے باپ نے بطور پیغام یہ مصرعہ تمہیں بھیجا ہے، لڑکیوں نے یہ مصرعہ پڑھا، قدرے تامل کیا اور پھر جھپٹ کر دونوں پیامبروں کے ہاتھ پکڑ لئے ساتھ ہی نالہ و شیون کا طوفان برپا کر دیا۔ شور سن کر تمام پڑوسی اور سارا قبیلہ وہاں سمٹ آیا۔ لڑکیاں رو رو کر اور سر پیٹ پیٹ کر الزام دے رہی تھیں کہ یہ دونوں ہمارے باپ کے قاتل ہیں، ہم ان سے قصاص لیں گی۔ بالآخر ملزم قبیلے کی پنچایت میں پیش ہوئے۔ لڑکیوں نے قتل کا استغاثہ دائر کر دیا۔ ملزم پس و پیش کرتے رہے۔ استغاثے کی دلیل یہ تھی کہ ملزم پیام لے کر آئے ہیں ؎

یا ابنتا امرا لقیس ان ابا کما

یہ پیام نامکمل اور ناتمام ہے۔ اس کی تکمیل و تتمیم کسی ایسے ہی دوسرے مصرع سے ہونی چاہیئے جو اسی کے معیار کا ہو اور اس کی وضاحت بھی کرے اور بجز اس کے کوئی دوسرا مصرعہ جچتا ہی نہیں کہ ؎

قد قُتِلَ وَ قاتلاہ لدا کما

کہ (خبردار ہو جاؤ) تمہارا باپ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کے دونوں قاتل تمہارے

سامنے کھڑے ہیں"

لڑکیوں کی اس دلیل کے خطوط پر تحقیقات ہوئیں ۔ اور جرح وقدح کے بعد ملزموں نے جرم کا اقرار کرلیا اور قصاص میں مار دیئے گئے ۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فصاحت و بلاغت عرب میں کس . . نقطہ عروج پر تھی؟

اب ایک قدم آگے بڑھایئے اور غور کیجئے کہ فصاحت و بلاغت کے اس بے مثال دور میں قرآن مجید اس دعوے کا مدعی بن کر آتا ہے اور گویا چیلنج کرتا ہے کہ :

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین"

اگر تمہیں اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں کچھ شک ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت لاکر دکھا دو . . . "

قرآن مجید اس چیلنج پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ ان کو ناکامی کا طعنہ دیکر جھنجوڑتا اور ڈراتا بھی ہے اور بڑے اعتماد سے کہتا ہے :

"فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین"

"پھر اگر تم اس جیسی کوئی سورت نہ بنا سکو اور یقیناً تم نہ بنا سکو گے تو پھر جہنم کی اس آگ سے ڈر جاؤ کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر بننے والے ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے "

یہ تو قرآن مجید کا محدود چیلنج تھا جو فصحائے عرب کو مخاطب کر کے دیا گیا تھا ۔ لیکن اس سلسلہ کا ایک اور چیلنج پوری دنیا کے لئے بھی موجود ہے جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ آپؐ ان دنیا والوں سے واشگاف الفاظ میں فرما دیجئے کہ

" اگر سارے جن اور تمام انسان یک جا ہو کر اس جدوجہد میں لگ جائیں اور اس امر کے درپے ہو جائیں کہ قرآن جیسا فصیح و بلیغ کلام تیار کریں تو اس کے مثل تیار نہ کرسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں ۔

"قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یأتوا بمثل هٰذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً"

اس کے علاوہ بھی کئی دیگر مقامات پر قرآن مجید میں یہ چیلنج موجود ہے مثلاً:

"قل فأتوا بعشر سور من مثلہ"

"قل فأتوا بسورۃ من مثلہ"

"فلیأتوا بحدیث مثلہ"

یعنی "اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ"

. . . "اچھا ایک ہی سورت بنا لاؤ"

. . . "اس جیسا ایک ہی قول لا کر دکھاؤ"

اس پیراگراف کا تعلق فصاحت و بلاغت کے اس جزو سے تھا جس سے "ماسبق" کے ساتھ "مالحق" کے ربط کی جانب اشارہ کیا گیا تھا - اب متوازن و موزوں اور معتدل معانی پر مشتمل الفاظ کے استعمال کا تعلق فصاحت کے ضمن میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

الفاظ و مصطلحات میں دو لفظ "علم" اور "عشق" ایسے ہیں کہ جن کے معانی و مفاہیم اور تعبیرات بہت کثرت سے ہیں - علم کی تعبیرات کو پھر بھی دائرہ حصر و شمار میں لایا جاسکتا ہے - لیکن عشق کی تعبیرات متعدد مراکز سے چلتی ہیں، مختلف راہوں سے گذرتی ہیں علم کی ساری تعبیرات تو ایک مشترک منزل اور ایک ہی آخری نقطے پر پہنچ جاتی ہیں - لیکن عشق کی سیمابیت ایک منزل، ایک نقطہ اور ایک منتہیٰ پر نہیں پہنچنے دیتی - اس کی منازلِ مقصود اور نقاطِ منتہیٰ صرف مختلف ہی نہیں، باہم متصادم و متضاد بھی ہو جاتے ہیں اور بے حد و نہایت اور لاتعداد بھی ہیں۔

عشق سے جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے، اس کے مدارج ہیں، تعارف، انس، محبت، عشق اور اس کی ایک شورانگیز کیفیت جس کو آپ دگر (والہانہ عشق) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تعارف و انس تو حب کے ابتدائی مدارج ہیں - محبت ایک درمیانی حالت ہے جو متوازن، متوازی اور معتدل ہے اور عقل، تدبر اور تفکر اس کی باگیں سنبھالتے رہتے ہیں - عشق، ایک حد سے متجاوز، غیر متوازن، غیر متوازی اور غیر عقلی جذبہ ہے جو حدود و اعتدال کو

توڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی ایک جگہ بھی محبت کے معنی میں عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور حب و محبت کے جذبہ کو اپنانے کی تلقین کے ساتھ ہی ساتھ جگہ جگہ تدبر و تفکر اور تعقل پر زور دیا گیا۔ لعلکم تتدبرون، لعلکم تتفکرون، لعلکم تعقلون وغیرہ!

بلاغت :

وہ کلام جو فصیح ہو اور اس میں حال کی مطابقت اور موقع کی مناسبت پائی جاتی ہو، کلام بلیغ کہلاتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض دفعہ طویل گفتگو موجبِ وحشت ہو جاتی ہے۔ اور کسی موقع پر گفتگو کا اختصار بڑی بدمزاجی اور بداخلاقی کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کو اگر کسی معزز و محبوب ہستی یا کسی دلآویز و دلچسپ شخصیت سے گفتگو کے لمحات میسر آ جائیں تو وہاں بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ بات چیت کو زیادہ سے زیادہ طول دیا جائے تاکہ دیر تک معیت اور لطفِ تکلم حاصل رہے اور یہ پُر لذت و قیمتی لمحات جلد ہاتھ سے نہ جاتے رہیں۔

اور اگر کسی ناپسندیدہ شخص سے گفتگو انسان کے لئے ناگزیر ہو جائے تو یہ موقع بلاغت کی رُو سے اس امر کا مقتضی ہے کہ مختصر ترین بات کر کے جتنی جلد ہو سکے اس سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔

دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بارگاہِ خداوندی میں بڑی آرزوؤں کے بعد شرفِ تکلم حاصل ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام مع عصائے موسوی باریاب ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب سے سوال ہوتا ہے:

"ما تلک بیمینک یٰموسیٰ"

موسیٰ، آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟

عام حالات میں اس کا جواب صرف ایک لفظ یعنی "عصا ہے" کہہ کر دیا جا سکتا تھا۔

اگر یہ سوال فرعون آپ سے کرتا تو جواب میں صرف "عصا" کہہ دینا ہی بلیغ جواب ہو سکتا تھا لیکن اس خوشگوار ملاقات اور مبارک ترین لمحات کو زیادہ سے زیادہ طول دینے کے لئے، موسیٰ علیہ السلام حال اور موقع کی مناسبت سے بزرگ کے بلاغت طول طویل جواب دیتے ہیں اور پھر آخری فقرہ میں مزید سوال کی گنجائش بھی رکھ دیتے ہیں ـــ فرماتے ہیں:

"ھی عصای اتوکؤ علیھا و اھش بھا علی غنمی ولی فیھا مآرب اخریٰ"

"یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں!"

قرآنِ مجید تمام و کمال فصاحت و بلاغت کے اسی معیار پر پورا اترتا ہے اور اس کا کوئی لفظ اور کوئی جملہ لفظی و معنوی محاسن سے خالی نہیں ہے اور یہی حد کمال ہے جس نے بڑے بڑے فصیحوں اور ادیبوں کو مات کر کے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" پورا کر دیا ورنہ کس کی مجال تھی کہ ان کے آگے سینہ تان کر کھڑا ہوتا۔ دینِ اسلام کے حق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی باطل مذہب ہوتا تو تمام ادیان پر غالب نہ آ سکتا ہے۔

بہرحال قرآنِ مجید فصاحت و بلاغت کی رُو سے بھی واقعی ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے یہ چند ایک باتیں ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق تحریر کر دی ہیں۔ اور بھی بہت سی مثالیں اس سلسلہ میں دی جا سکتی ہیں، ویسے ہمارا ایمان ہے کہ قرآنِ مجید۔۔ کلامِ ربانی ہے اور اس کی کما حقہ تعریف اور فضیلت بیان کرنا ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے!

بقیہ ص ۴۵:

۔ ۔ لٹھ بند کر کے، تلواریں دے کر، مختلف مقامات پر بھیجے جاتے۔ ان کے پریڈ کے الفاظ مختلف و خفیہ قسم کے تھے تا کہ مخالفین پر اثر و رعب ڈالا جا سکے۔ محمد حیات سرفروش جس کی دوکان مسجد اقصیٰ کے ملحق تھی، اس کا انچارج تھا۔ جلوس وغیرہ نکالنا اور مرعوب کن نعرے مارنا اس کور کا کام تھا۔ غرضیکہ قادیان کی احمدیہ جماعت کو مذہبی جماعت سمجھنا، کسی طور مناسب نہیں۔ جنہوں نے محض قادیان کو ریاست بنانے کے لئے تبلیغی اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی۔ اندرونی طور پر یہ جماعت بالکل سیاسی تھی جس کے نظام کا حصہ "کارِ خاص" تھا۔ کارِ خاص" پر آئندہ کسی اشاعت میں روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ!